انصاف پر قائم ہو جاؤ

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

انصاف پر قائم ہو جاؤ

(فرمودہ ۱۷؍ مئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب)

قرآن کریم ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ اس میں ہر قسم کے سوال کا جواب پایا جاتا ہے کوئی پہلو انسانی سوالات اور جذبات کا ایسا نہیں جس کا جواب قرآن کریم نے نہ دیا ہو۔ کل ہی میں نے جس امر کے متعلق کچھ باتیں بیان کی تھیں قرآن کریم نے بھی اس سوال کو اُٹھایا ہے اور اس کا جواب دیا ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے تمام فیصلے یا تو اپنی ضرورت کے مطابق ہوتے ہیں یا دوسرے کے رویہ کے مطابق اور یا پھر حقائق کے مطابق ہوتے ہیں یہ تین ہی پہلو کسی فیصلہ کے متعلق اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ یا تو انسان یہ دیکھتا ہے کہ مجھے خود کس بات میں فائدہ ہے یا انسان یہ دیکھتا ہے کہ میرے دشمن کو کس طرح نقصان پہنچ سکتا ہے یا پھر انسان یہ دیکھتا ہے کہ دشمن کو نقصان پہنچے یا نہ پہنچے، مجھے فائدہ پہنچے یا نہ پہنچے، سچائی اور حق کیا ہے؟ ہر فیصلہ کے متعلق ان تین ہی پہلوؤں میں سے ایک پہلو اختیار کیا جا سکتا ہے اس کے سِوا اور کوئی پہلو نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم نے بھی اِس سوال کو اُٹھایا ہے اور اِس کا جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡا قَوّٰمِیۡنَ لِلّٰہِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ ۫ وَلَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰۤی اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰی ۫ وَاتَّقُوا اللّٰہَ [1] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مومنو! انسان چونکہ مختلف اغراض کے ماتحت کام کرتا ہے کبھی وہ کام کرتے وقت اپنے نفس کا فائدہ سوچتا ہے، کبھی وہ دشمن کو نقصان پہنچانے کے متعلق سوچتا ہے اور کبھی اس کے مدنظر صداقت ہوتی ہے اس لئے تم اے مومنو! جب کوئی کام کرو تو تمہارے مدنظر یہ نہ ہونا چاہئے کہ تمہارا کس پہلو پر عمل کرتے ہوئے فائدہ ہے، نہ ہی تمہارے پیشِ نظر یہ بات ہو کہ تم

دشمن کو کونسے پہلو پر عمل کرتے ہوئے نقصان پہنچا سکتے ہو بلکہ تمہارے مدنظر صرف یہ بات ہو کہ ایسا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے **کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ** میں قوام کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے قائم نہیں فرمایا گویا مطلب یہ ہے کہ تم پورے طور پر مستعد ہو کر اور کمرِ ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ لیکن صرف اللہ تعالیٰ کے لئے۔ تم یہ نہ سوچنا کہ تمہارا کس بات میں فائدہ ہے اور تمہارے دشمن کا کس بات میں نقصان ہے بلکہ تم صرف یہ دیکھنا کہ تمہارا خدا اس بارہ میں تمہیں کیا حکم دیتا ہے۔ پھر فرمایا **شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ** تمہاری حالت یہ ہو کہ تم باقی تمام پہلوؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف انصاف پر قائم ہو جاؤ اور جو بات بھی تمہارے منہ سے نکلے انصاف اور حق پر مبنی ہو ممکن ہے جو بات تم انصاف اور حق کے لئے کر رہے ہو وہ تمہارے لئے نقصان دِہ ہو یا دشمن کے لئے فائدہ مند ہو لیکن تم اِن باتوں کی مطلقاً پرواہ نہ کرو بلکہ تم مستعدی، ہوشیاری اور دلیری کے ساتھ انصاف پر قائم ہو۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حکم تو عام حالات کے لئے ہے اگر دشمن زیادتی کرے اور اس کی دشمنی، زیادتی اور شرارت اور دکھ اس حد تک پہنچ جائے کہ انسان اس کا جواب بھی دشمنی اور شرارت سے دینے کے لئے مجبور ہو جائے اور ایسا پہلو اختیار کرنا پڑ جائے جو دشمن کو اس کی شرارت کا مزا چکھانے کے لئے ضروری ہو تو پھر کیا کیا جائے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے کہ **لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا** یعنی ہوسکتا ہے کہ دشمن تم پر اتنی سختی کرے، اتنا ظلم کرے اور تمہیں اتنے دکھ دے کہ اس کا ظلم تمہاری حدِّ برداشت سے باہر ہو جائے اور تم چاہو کہ دشمن کو اس کی شرارتوں کی سزا دو لیکن تم ایک بات کو ضرور مدنظر رکھو کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل کو چھوڑ دو تمہارا کام یہی ہے کہ **اِعْدِلُوْا** تم عدل اور انصاف سے کام لو پھر فرمایا **ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی** تمہارا عدل سے کام لینا تمہیں تقویٰ کے قریب کر دے گا گویا عدل اور انصاف سے کام لینا تقویٰ نہیں بلکہ صرف **اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی** کے مقام تک انسان کو لے جا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کسی چیز کے قریب ہو جانا اور بات ہے اور خود وہی مقام حاصل کر لینا اور چیز ہے۔ تقویٰ کے قریب ہو جانے سے تقویٰ کا اصل مقام حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے گو تم عدل اور انصاف سے کام

لینے کے نتیجہ میں تقویٰ کے قریب پہنچ جاؤ گے مگر تم اس سے تقویٰ کے اصل مقام کو حاصل نہیں کر سکتے اور چونکہ ہم تمہیں صرف یہی نہیں کہتے کہ تم تقویٰ کے قریب ہو جاؤ بلکہ ہم تمہیں تقویٰ کے اصل مقام پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں اس لئے تم اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی سے آگے بڑھ کر اتَّقُوا اللّٰہَ پر عمل کرو جب تم اس پر پوری طرح عمل کر لو گے تو تم تقویٰ کے اصل مقام پر پہنچ جاؤ گے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس امر کو نہایت صراحت اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے کہ جب تم نے دشمن کی شرارتوں، اس کی تدبیروں، اس کے مکروں اور اس کی چالاکیوں کو بھلا دیا اور تم نے اس کے ساتھ عدل کیا تو یہ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی تو ہو گیا لیکن تَقْوٰی نہ ہوا اس کے دکھ کو بُھلا دینا، اُس کے مظالم کو بُھلا دینا اور اس کے ساتھ عدل کرنا تمہیں تقویٰ کے اصل مقام پر نہیں پہنچا سکے گا حالانکہ ہم چاہتے ہیں کہ تم تقویٰ کے اصل مقام تک پہنچ جاؤ اس لئے وَاتَّقُوا اللّٰہَ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اس جگہ یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب دشمن کی شرارتوں اور اس کے مظالم کے باوجود اس سے عدل و انصاف کا سلوک کرنا بھی تقویٰ بلکہ صرف تقویٰ کے قریب کرنے والی چیز ہے تو پھر تقویٰ کیا ہوا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ جب عدل صرف تقویٰ کے قریب کرنے والی چیز ہوا تو ظاہر ہے کہ تقویٰ وہ ہو گا جو اس سے بھی بڑھ کر ہو۔ اور عدل سے بڑھ کر جو چیز ہے وہ احسان اور حسن سلوک ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ دشمن کے مظالم اور اس کی جفا کاریوں کے مقابلہ میں تم نہ صرف عدل سے کام لو بلکہ اس سے احسان اور حسن سلوک کا بھی معاملہ کرو۔ اگر تم صرف عدل سے کام لو گے تو گو یہ چیز اَقْرَبُ اِلَی التَّقْوٰی ہو گی مگر تقویٰ نہیں ہو گی۔ تقویٰ یہ ہے کہ تم دشمن سے احسان کا سلوک کرو اور اس کے مظالم کو بالکل بھول جاؤ۔

اس جگہ پھر انسانی طبیعت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر میں نے دشمن کی ہر شرارت اور اس کے ہر ظلم کے بدلہ میں درگذر سے کام لیا تو مجھے نقصان پہنچ جائے گا سو اِس خطرہ کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ [۲] اگر تم دشمن کی دشمنی اور ظلم کے باوجود اس کے ساتھ عدل اور انصاف سے کام لو گے اور پھر اس سے احسان کا سلوک کرتے ہوئے تقویٰ کی راہوں پر گامزن ہو جاؤ گے تو تمہیں اس بات کا خوف نہیں ہونا چاہئے کہ تمہیں

کوئی نقصان پہنچ جائے گا کیونکہ جب تم تقویٰ اختیار کر لو گے تو میں خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ موجود ہوں اگر تم میرے حکم پر عمل کرنے کے باوجود کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاؤ گے تو میں خود تمہاری مدد کو پہنچوں گا۔

ایک شریف انسان اگر کسی شخص کو کسی ایسے مقام پر کھڑا کرے جہاں اس کی جان جانے کا خطرہ ہو اور پھر اس کی خبر نہ لے تو یہ اس کی شرافت سے بعید بات ہوتی ہے۔ ایک شریف انسان یہ کر ہی نہیں سکتا کہ کسی کو خطرہ کے مقام پر کھڑا کر کے پھر اُس کی خبر نہ لے تو جب ایک شریف انسان یہ نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ یہ کس طرح کر سکتا ہے کہ وہ خود اپنے بندوں کو کوئی ایسا حکم دے جس میں انہیں خطرہ لاحق ہو مگر خطرہ کے وقت ان کی امداد کے لئے نہ پہنچے۔ وہ جب اپنے بندوں کو اس قسم کا حکم دیتا ہے تو ان کی خبر گیری بھی کرتا ہے۔ قرآن کریم کی اس تعلیم کے بعد جب ہم رسول کریم ﷺ کے عمل کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی اسی کے مطابق نظر آتا ہے چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ جنگ اُحد میں مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا تھا۔ یہاں تک کہ بعض دشمنوں نے مسلمانوں کے کلیجے نکال کر چاٹے تھے، بعض کے ناک اور کان کاٹ دیئے تھے اور اِس طرح دشمنوں نے کئی مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ کر دیا تھا۔ جن مسلمانوں پر اِس قسم کے مظالم ڈھائے گئے تھے ان میں رسول کریم ﷺ کے ایک چچا بھی تھے آپ کی طبیعت پر دشمن کے ان مظالم کا نہایت گہرا اثر ہوا چنانچہ آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ دشمن نے اس قسم کے مظالم میں پہل کی ہے اب میں بھی ان کے ساتھ وہی سلوک کروں گا اور جس قسم کا معاملہ دشمن نے ہمارے ساتھ روا رکھا ہے اسی قسم کا معاملہ ان کے ساتھ بھی روا رکھا جائے گا اس پر مَعاً آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ آپ کا یہ مقام نہیں کہ آپ دشمن کی کمینہ حرکات کا جواب اُسی طرح دیں اور اُن کی نقل کریں۔ چنانچہ آپ نے صحابہؓ کو اپنا یہ الہام سنایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات سے منع فرما دیا ہے۔[۳] اب چاہے یہ لوگ ہمارے ساتھ کچھ کرتے رہیں ہم ان سے نرمی سے ہی پیش آئیں گے چنانچہ آپؐ نے ہمیشہ اس پر عمل کیا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ گزشتہ اور موجودہ فسادات کے دوران میں عورتوں اور بچوں کو بے رحمی سے قتل کیا جاتا رہا، بہار اور گڑھ مکتسیر وغیرہ میں ہندوؤں نے اور نواکھائی ملتان اور راولپنڈی

میں مسلمانوں نے ایک دوسرے پر جی بھر کر ظلم کیا یہاں تک کہ کلکتہ میں مسلمان عورتوں کے پستان کاٹے گئے، بچوں کو نیزے مار مار کر مار دیا گیا اِن حالات کو دیکھ کر طبائع میں جوش تو آجاتا ہے اور انسان چاہتا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے جہاں تک ظلم کا تعلق ہے اس کا مقابلہ کرنا تو جائز ہے لیکن کمینگی کا مقابلہ جائز نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے کبھی کسی دشمن کا مثلہ نہیں کیا بلکہ آپ ہمیشہ صحابہؓ کو اس سے منع فرماتے رہے یہاں تک کہ عربوں کے دستور کے مطابق بعض اوقات عورتیں بھی جنگوں میں آجاتی تھیں۔ ایک دفعہ کوئی عورت مسلمانوں کے ہاتھ سے اتفاقاً ماری گئی، آپ نے جب عورت کی لاش دیکھی تو آپ کو سخت تکلیف ہوئی۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ اُس وقت غصہ کی وجہ سے آپ کا چہرہ اتنا متغیر تھا کہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا آپ نے فرمایا یہ ظلم کس نے کیا ہے؟[۴] اس بات کا صحابہؓ پر اتنا اثر تھا کہ ایک جنگ میں ایک صحابیؓ لڑتے لڑتے ایسے مقام پر پہنچ گئے کہ ایک ہی حملہ سے دشمن کو شکست دے سکتے تھے لیکن جونہی آپ نے حملہ کرنا چاہا سامنے سے ایک عورت آگئی انہوں نے جھٹ اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اِس بات کی پرواہ نہ کی کہ اس میں میرا نقصان ہو جائے گا۔ کسی نے ان سے پوچھا یہ آپؐ نے کیا کیا کہ ایسے اچھے موقع پر پہنچ کر آپ حملہ کرنے سے باز رہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا ہے کہ عورت پر ہاتھ اُٹھانا سخت ظلم ہے۔[۵]

اسی طرح رسول کریم ﷺ جب فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو مکہ میں تمام لوگ موجود تھے جنہوں نے متواتر تیرہ سال تک آپ کو انتہائی دُکھوں میں مبتلا رکھا تھا بلکہ آپ کی مکی زندگی کے بعد جب مدنی زندگی شروع ہوئی تو بھی ان لوگوں نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا تھا، غرض مکہ کے اندر وہ لوگ تھے جنہوں نے آپ کو ہر قسم کی تکالیف پہنچائی تھیں، آپ کے صحابہؓ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے، آپ کے خویش و اقارب پر جو آپ پر ایمان لائے تھے اتنی سختیاں کی تھیں جن کی حد ہی نہیں ان مظالم ہی کی وجہ سے بعض مسلمانوں کو بے چارگی اور بے کسی کی حالت میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ حبشہ ان کے لئے بالکل اجنبی جگہ تھی وہاں کی آب و ہوا اور تھی، زبان اور تھی، وہاں کے لوگوں کا مذہب اور تھا، قومیت اور تھی مگر مسلمانوں کو

وہاں مجبوراً جانا پڑا صرف اِس خیال سے کہ شاید وہاں اِن کو امن مل سکے مگر کفار مکہ کے ظلم کا یہ حال تھا کہ وہ ہجرت بھی آسانی کے ساتھ نہ کر سکتے تھے۔ ان کو جبراً ہجرت سے روک دیا جاتا تھا اس لئے جو مسلمان ہجرت کے لئے نکلتے تھے وہ منہ اندھیرے پو پھٹنے سے قبل نکل جاتے تھے تا کہ دشمن دیکھنے نہ پائے۔ حضرت عمرؓ ابھی تک ایمان نہ لائے تھے اُن کو کہیں سے بھنک پڑ گئی کہ آج کچھ مسلمان حبشہ کی طرف جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں چنانچہ وہ گئے اور دیکھا کہ ایک صحابی اور اُس کی بیوی ایک اونٹ پر سامان باندھ رہے ہیں اور ہجرت کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہاں کی تیاریاں ہیں؟ اُس صحابی کی بیوی نے جواب دیا عمر! تیاریاں کہاں کی ہوں گی یہ ہمارا اپنا وطن تھا اور ہمیں بہت عزیز تھا لیکن عمرؓ! تم نے اور تمہارے بھائیوں نے ہمارے لئے اِس وطن میں امن نہیں چھوڑا۔ وہ صحابیہ بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے یہ الفاظ کہے تو عمرؓ نے منہ دوسری طرف پھیر لیا اور اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور کہا جاؤ تمہارا خدا حافظ۔ خاوند نے بیوی سے پوچھا عمر کیا کہہ رہا تھا؟ بیوی نے جواب دیا عمر کے دل پر میری بات سن کر چوٹ لگی ہے۔ خاوند نے حیران ہو کر کہا اِس سنگدل کے دل پر بھلا چوٹ لگ سکتی ہے؟ بیوی نے کہا جب میرے منہ سے یہ فقرہ نکلا کہ عمر! ہمارا یہ وطن ہمیں بہت عزیز تھا مگر تم نے اور تمہارے بھائیوں نے ہمارے لئے اس وطن میں امن نہیں چھوڑا تو واقعی اُس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے[۶] غرض کفار مکہ نے مسلمانوں پر اتنے شدید مظالم کئے تھے کہ وہ اپنے عزیز وطن کو چھوڑ کر ایسی جگہ جانے کے لئے مجبور ہو گئے جہاں کی ہر چیز اُن کے لئے اجنبی تھی۔

پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان جس کی عمر سترہ اٹھارہ سال کی تھی جب رسول کریم ﷺ پر ایمان لایا تو اُس کے ماں باپ نے اور بھائیوں نے اُس کے ساتھ اتنی دشمنی کی کہ اُس کا مقاطعہ کر دیا اور اُس کے برتن الگ کر دیئے تا کہ ان کے برتن نجس نہ ہو جائیں مگر نوجوان نے اِس مقاطعہ کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا۔ جب اُس کے گھر والوں نے دیکھا کہ اس نے مقاطعہ تو برداشت کر لیا ہے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اِس کے ساتھ بولنا بند کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے سختی سے اس پر عمل کیا مگر نوجوان نے اپنی قوتِ ایمانی سے اس سختی کو بھی برداشت کر لیا۔ جب اس کے گھر والوں نے دیکھا کہ اس بات کا بھی اس پر کچھ اثر نہیں ہوا تو انہوں نے

ایک اور قدم اُٹھایا کہ اس کے سامنے رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینی شروع کیں آخر اس نوجوان نے اس بات سے تنگ آکر اپنے والدین اور بھائیوں سے کہا تم رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتے ہو یہ بات ٹھیک نہیں ہے اور میں اس کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا اس کے علاوہ جو دُکھ تم جی چاہے دے لو مگر میرے سامنے آپ کو گالیاں نہ دیا کرو۔ اس پر ماں نے اسے کہہ دیا تو میرا بیٹا نہیں اور میں تیری ماں نہیں اس لئے تو ہمارے گھر سے نکل جا۔ چنانچہ وہ نوجوان حبشہ چلا گیا۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد واپس گھر آیا اُس کا خیال تھا کہ اب میرے گھر والوں کے دلوں میں جدائی کی وجہ سے نرمی پیدا ہو چکی ہوگی اور وہ جب گھر پہنچا تو ماں کی مامتا کو جوش آیا اور بڑے پیار سے بیٹے کو گلے سے لگایا اور کہا بیٹا! اب تو امید ہے کہ تو اُس صابی (خاکش بدہن، کفار مکہ رسول کریم ﷺ کو صابی کہتے تھے) کے پاس نہ جائے گا۔ یہ سن کر نوجوان ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور کہا ماں! میں نے سمجھا تھا کہ میرے دور جانے کی وجہ سے تمہارا بُغض دور ہو گیا ہو گا اگر تو یہ چاہتی ہے کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس نہ جاؤں تو یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا بیشک تو میری ماں ہے مگر رسول اللہ مجھے تم سے زیادہ پیارے ہیں یہ کہہ کر وہ اُسی وقت گھر سے نکل گیا اور پھر اُس نے ساری عمر اپنے گھر کا رُخ نہیں کیا۔ [ے]

اسی طرح ایک جنگ میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو دشمن کے قیدی پکڑے ہوئے آپ کے پاس آئے ان میں آپ کا داماد ابوالعاص بھی قید ہو کر آیا تھا جب دوسرے قیدیوں کو فدیہ وغیرہ کے بدلے رہا کیا گیا تو ابوالعاص سے آپ نے یہ وعدہ لے کر چھوڑ دیا کہ مکہ واپس جا کر وہ آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کو مدینہ بھجوا دے گا۔ جب آپ کی وہ صاحبزادی مدینہ واپس آنے لگیں تو مکہ کے قریش نے انہیں بزور روکنا چاہا اور جب حضرت زینب نے انکار کیا تو ایک بد بخت نے نہایت وحشیانہ طریق پر ان کے پالان کی رسیاں کاٹ دیں جس کے نتیجہ میں وہ نیچے گر گئیں اور انہیں اِسقاط ہو گیا اور پھر اِسی صدمہ کی وجہ سے وہ چند دن بعد انتقال فرما گئیں۔

ابوسفیان کی بیوی ہندہ جس نے مسلمانوں کے کلیجے نکال نکال کر چبائے تھے اور جو سخت بغیض عورت تھی وہ ایک مجلس میں تھی کہ وہی شخص جس نے حضرت زینبؓ پر حملہ کیا تھا وہاں پہنچا اور بڑے فخر کے ساتھ اپنی اس بہادری کو بیان کرنے لگا کہ میں نے محمد (ﷺ) کی بیٹی کے

ساتھ یہ کیا ہے۔ ہندہ نے جب اس کی یہ بات سنی تو وہ نہایت جوش کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور اُس نے کہا عربو! تمہاری شجاعت اور بہادری کدھر گئی؟ کیا تم نے اتنی کمینہ اور ذلیل حرکات شروع کر دی ہیں کہ تم ایک عورت پر ہاتھ اُٹھاتے بھی نہیں جھجکتے؟ [۸] پس اس قسم کے مظالم تھے جو کفار کی طرف سے مسلمانوں پر روا رکھے گئے اور انہوں نے برداشت کئے مگر یہی وہ مظالم تھے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں مسلمانوں کی امداد کی۔

جنگ بدر کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے تھیں اور لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی تو میں نے خیال کیا کہ آج میں کفار کے مظالم کا بدلہ لوں گا مگر چونکہ ایک ماہر جنگجو کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ لڑتے وقت اُس کے دونوں پہلو مضبوط ہوں اس لئے میں نے دیکھا کہ مدینہ کے دو کم سِن انصاری لڑکے میرے دائیں بائیں کھڑے ہیں اُن کو دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا کیونکہ میں نے سمجھا کہ یہ کم عمر لڑکے اور وہ بھی انصار کے جن کو جنگ کرنی آتی ہی نہیں میرے پہلوؤں کو کیا محفوظ رکھ سکیں گے۔ مجھے افسوس ہوا کہ میں اپنے ارمانوں کو جی بھر کر نکال نہ سکوں گا مگر میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ مجھے ایک طرف سے کہنی لگی میں نے اُدھر دیکھا تو اُس طرف والے لڑکے نے مجھے اشارہ سے جھکنے کے لئے کہا میں جب جھکا تو اُس لڑکے نے آہستہ سے مجھ سے پوچھا چچا! یہ تو بتاؤ وہ ابوجہل کونسا ہے جو رسول کریم ﷺ کو دکھ دیا کرتا تھا آج میں اُس سے اُس کی شرارتوں کا بدلہ لوں گا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہتے ہیں کہ ابھی میں اُس کی بات کا جواب دینے نہ پایا تھا کہ مجھے دوسری طرف سے کہنی لگی اور اُس طرف کے لڑکے نے بھی اشارہ سے کہا کہ جھک کر میری بات سنو۔ جب میں جھکا تو اُس نے بھی مجھ سے وہی سوال کیا جو پہلے لڑکے نے کیا تھا کہ چچا! وہ ابوجہل کونسا ہے جو رسول کریم ﷺ کو دکھ دیا کرتا تھا میرا جی چاہتا ہے کہ آج اُس سے بدلہ لوں گا۔ میں اُن کی اِس جرأت پر سخت حیران ہوا کیونکہ میرے دل میں یہ خیال بھی نہ آ سکتا تھا کہ یہ کم سن اور نا تجربہ کار لڑکے دشمن کے سب سے بڑے جرنیل پر حملہ کرنے کا ارادہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اُن دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ وہ جو فولادی خود کے اندر چھپا ہوا ہے اور اُس کے آس پاس دو پہرہ دار کھڑے ہیں وہ ابوجہل ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ ابھی میری انگلی

نیچے نہ ہونے پائی تھی کہ جس طرح باز ایک چڑیا پر حملہ کرتا ہے اِس طرح وہ دونوں لڑکے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دشمن کی صفوں کو کاٹتے ہوئے آنِ واحد میں ابوجہل کے پاس پہنچ گئے۔ پہریداروں کو اس بات کا گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص اتنی صفوں کو چیر کر اور پہریداروں کی موجودگی میں ابوجہل تک پہنچ سکتا ہے۔ ان دونوں لڑکوں نے بیشتر اس کے کہ کوئی سپاہی ان پر حملہ کرے ابوجہل پر حملہ کر دیا اور اس کو پہلے ہی حملے میں زمین پر گرا دیا[9] عکرمہ بن ابوجہل جو اُس وقت اپنے باپ کے ساتھ کھڑا تھا وہ اپنے باپ کو تو نہ بچا سکا مگر اُس نے ایک لڑکے پر ایسا وار کیا کہ اُس کا ایک بازو کٹ گیا اور جسم کے ساتھ لٹکنے لگا۔ لٹکتا ہوا بازو چونکہ لڑنے میں مزاحم ہوتا تھا اس لئے اس نے جھک کر بازو کو پاؤں کے نیچے رکھ کر زور سے الگ کر دیا۔

غرض دشمن کے مظالم مسلمانوں پر اِس قدر تھے کہ صحابہؓ کے دل پک گئے تھے مگر جب مکہ فتح ہوا اور رسول کریم ﷺ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئے تو جیسا کہ میں نے بارہا بیان کیا ہے ایک جگہ ابوسفیان کھڑا اسلامی فوجوں کے مارچ کا نظارہ دیکھ رہا تھا کہ ایک انصاری جو ایک قبیلہ کی فوج کو مارچ کراتے ہوئے ابوسفیان کے پاس سے گزرے اور اُنہوں نے ابوسفیان کو مخاطب کر کے کہا آج ہم مکے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور مکہ والوں کو ذلیل کر دیں گے۔ ابوسفیان یہ سن کر گھبرایا ہوا رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا آپ نے سنا مدینہ کا ایک انصاری مجھے کیا کہتا تھا؟ آپ نے فرمایا تم ہی بتاؤ۔ اُس نے کہا وہ کہتا تھا کہ آج ہم مکّے کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ آپؐ نے فرمایا آج کے دن تو اللہ تعالیٰ مکہ کی عزت کو قائم کرنا چاہتا ہے ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ آپؐ نے اُسی وقت یہ بات کہنے والے اسلامی فوج کے کمانڈر کو بُلوایا اور اُسے معزول کر کے اُس کی جگہ اُس کے بیٹے کو کمانڈر بنا دیا۔[10] جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے مکّے کے تمام قبائل کو جمع کیا اور فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے کہ تم نے میرے ساتھ میرے اعزہ واقرباء کے ساتھ اور میرے صحابہؓ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ اب میں فاتح ہوں اور تم مفتوح؟ اب میں بااختیار ہوں اور تم بے اختیار، اب بتاؤ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ اُنہوں نے عرض کیا جو سلوک حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کے ساتھ کیا تھا وہی سلوک آپ ہمارے ساتھ کریں۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں! میں بھی

تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا اور آپ نے انہیں لَاتَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ کہہ کر معاف فرما دیا۔[۱۱] پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی ہے کہ آپ نے باوجود دشمن کے انتہائی مظالم کے ان کو معاف فرما دیا۔

پس مؤمن جہاں دلیر اور بہادر ہوتا ہے وہاں وہ عدل، انصاف اور اس سے بڑھ کر احسان کو نہیں چھوڑتا۔ لڑائیاں ہوتی ہیں، مرنے والے مرتے ہیں، قتل ہونے والے قتل ہوتے ہیں اور قتل کرنے والے قتل کرتے ہیں لیکن اِن باتوں کو لوگ بھول جاتے ہیں مگر احسان ایک ایسی چیز ہے جو تاریخوں میں محفوظ ہو جاتی ہے۔ پس ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلنا چاہئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عربوں کے ان مظالم سے جو انہوں نے مسلمانوں پر کئے صرف وہی لوگ واقف ہیں جو تاریخ دان ہیں یا جنہوں نے تواریخ کا مطالعہ کیا ہے لیکن آپ کے اس احسان والے فعل کو ساری دنیا جانتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا نام اللہ تعالیٰ نے تقویٰ رکھا ہے، صرف عدل تقویٰ کے قریب تو ہو جاتا ہے مگر تقویٰ نہیں کہلا سکتا۔ حضرت امام حسنؓ کے متعلق آتا ہے کہ آپ کا ایک نوکر ہمیشہ بے احتیاطیاں کرتا تھا اور کئی چیزیں توڑ پھوڑ دیتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ کے پاس کوئی شخص تحفۃً ایک شیشے کا نہایت ہی خوبصورت برتن لایا جو اس نوکر نے توڑ دیا اُنہوں نے خشمگیں نگاہوں سے نوکر کی طرف دیکھا تو اُس نے جھٹ کہا وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ آپ نے سنتے ہی کہا اچھا میں تمہیں کچھ نہیں کہتا۔ نوکر نے کہا کہ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ آپ نے کہا اچھا میں تمہیں معاف بھی کرتا ہوں۔ نوکر نے پھر کہا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ آپ نے فرمایا اچھا میں تمہیں آزاد کرتا ہوں۔[۱۲] پس مؤمن وہی ہے جو خدا تعالیٰ کے احکام پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے اور تقویٰ کی راہوں کو اختیار کرے ورنہ خدا تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرسکتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے ایک دفعہ رؤیا میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی خندق ہے اُس پر فرشتوں نے بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں، فرشتوں کے ہاتھوں میں چھریاں ہیں اور وہ انہیں ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ بھیڑیں بڑا شور مچا رہی ہیں مگر فرشتے حکم کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اتنے میں آسمانی حکم آ گیا اور فرشتوں نے چھریاں پھیر دیں

جب بھیڑیں تڑپنے لگیں تو فرشتوں نے بڑی سختی سے اُنہیں کہا کہ تم گوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو اور کیا ہو۔ پھر آپ کو الہام ہوا قُلْ مَایَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَاءُ کُمْ یعنی اگر تم دعا نہ کرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری کیا پرواہ ہے پس جب انسان تقویٰ کی راہوں کو اختیار نہیں کرتا تو وہ گوہ کھانے والی بھیڑوں سے زیادہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔[۱۳] خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل اور دماغ دیا ہے اور قوتِ متفکرہ عطا فرمائی ہے تا کہ ان سے صحیح معنوں میں کام لیکر وہ دنیا میں عدل وانصاف، نیکی اور تقویٰ کو قائم کر سکے۔

پس ہماری جماعت کو ہمیشہ یہ بات مدنظر رکھنی چاہئے کہ عدل وانصاف اور تقویٰ کی راہ ہی ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کے رحم اور اس کی مدد کی جاذب ہو سکتی ہے ہمیں چاہئے کہ اگر ہم ہندوؤں کو مظلوم پائیں تو انکا ساتھ دیں کیونکہ ہم ان کے بندے نہیں ہیں بلکہ ہم خدا کے بندے ہیں اس لئے ہر بات کا فیصلہ کرتے وقت ہمیں اِس بات کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس بارہ میں ہمارا خدا ہمیں کیا حکم دیتا ہے۔

کہتے ہیں کسی راجہ نے بینگن کھائے جو اس کو بہت مزیدار معلوم ہوئے، دوسرے دن اس نے دربار میں آ کر بینگن کی تعریف کرنی شروع کی کہ بینگن بہت اعلیٰ قسم کی ترکاری ہے، بہت مزیدار ہے یہ سن کر ایک درباری کھڑا ہوا اس نے بینگن کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے۔ کہا حضور! واقعی بینگن بڑی اعلیٰ درجہ کی ترکاری ہے اس کے اندر یہ صفت ہے اور اس کے یہ خواص ہیں غرضیکہ اُس نے بینگن کے صحت والے حصہ کو جو طب میں بیان ہوا تھا بتمام وکمال بیان کر دیا اور پھر کہا حضور! دیکھئے تو بینگن کی شکل بھی کیسی اعلیٰ ہے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ایک صوفی سیاہ لباس زیب تن کئے سر پر سبز عمامہ پہنے عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے۔ اس کے بعد راجہ نے چند دن متواتر بینگن کھائے اور چونکہ بینگن گرم ہوتا ہے اِس لئے راجہ کو بواسیر کی شکایت ہوگئی اِس پر راجہ نے دربار میں آ کر ایک دن بینگن کی بُرائیاں بیان کرنا شروع کر دیں کہ ہم نے سمجھا تھا کہ بینگن بڑی اچھی چیز ہے مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ سخت نقصان دہ ہے اس سے بواسیر ہو جاتی ہے۔ یہ سن کر وہی درباری جس نے دو چار روز پیشتر بینگن کی خوبیاں بیان کر کے زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے تھے کھڑا ہوا اور بینگن کی بُرائیاں بیان کرنی شروع کر دیں

اور کہا حضور واقعی بینگن سخت نقصان دہ چیز ہے، اس کے کھانے سے فلاں بیماری پیدا ہوتی ہے اور اس کے استعمال سے فلاں مرض کے لاحق ہونے کا احتمال ہوتا ہے غرضیکہ عِلمِ طب کی رو سے بینگن کی تمام بُرائیاں بیان کر ڈالیں اور پھر راجہ سے کہا حضور دیکھئے تو اِس کی شکل بھی کیسی منحوس ہے، بیل پر لٹکا ہوا یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کسی چور کا منہ کالا کر کے اسے پھانسی پر لٹکایا ہوا ہے۔ جب دربار برخاست ہوا تو کسی نے اس درباری سے پوچھا یہ تم نے کیا کیا ابھی کل کی بات ہے کہ تم نے بینگن کی تعریفیں کی تھیں اور آج تم اس کی بُرائیاں بیان کرتے رہے؟ درباری نے کہا میں راجہ کا نوکر ہوں بینگن کا نہیں۔ اُس دن راجہ بینگن کی تعریف کر رہا تھا میں نے بھی تعریف کر دی اور آج راجہ نے اس کی بُرائی کی تو میں نے بھی اس کے تمام بُرے پہلو گنوا دیئے۔ پس جب کہ راجہ کے درباری کو اس بات کا احساس تھا کہ میں راجہ کا ملازم ہوں تو کیا ایک مؤمن کو اس بات کا احساس نہ ہوگا کہ وہ خدا کا درباری ہے۔

مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر کام میں یہ دیکھے کہ اس کے بارہ میں میرا خدا مجھے کیا حکم دیتا ہے اور اپنے دل میں عہد کر لے کہ جو کچھ میرا خدا مجھے کہے گا وہی کروں گا چاہے ساری دنیا مجھ سے ناراض ہو جائے کیونکہ خدا کی دوستی کے مقابلہ میں انسانوں کی دشمنی کیا حیثیت رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی قوم کا کوئی لیڈر غلط راستہ اختیار کرتا ہے تو ہم اس پر تنقید کرتے ہیں کبھی ہم سکھوں کے کسی لیڈر پر اس کے کسی غلط رویہ کی وجہ سے تنقید کرتے ہیں اور کبھی ہندوؤں کے کسی لیڈر پر اور کبھی مسلمانوں کے کسی لیڈر پر۔ اگر ہم کسی معاملہ میں سکھوں یا ہندوؤں کے کسی لیڈر پر نکتہ چینی کرتے ہیں تو مسلمان ہم پر خوش ہو جاتے ہیں اور ہندو سکھ ناراض ہو جاتے ہیں، پھر ہم کسی مسلمان کی ناانصافی پر نکتہ چینی کرتے ہیں تو ہندو سکھ ہم پر خوش ہوتے ہیں اور مسلمان ناراض ہو جاتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا آ رہا ہے۔ کبھی یہ ہمارے مخالف ہو جاتے ہیں اور کبھی وہ پھر ہمیں ان پر تعجب بھی آتا ہے کہ جب ہم وہ بات کرتے ہیں جس کے لئے ہمارا خدا ہمیں حکم دیتا ہے تو ان کے لئے اس میں ناراضگی کا کونسا موقع ہے۔ مگر ہم اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کون ہم پر راضی ہوتا ہے اور کون ناراض بلکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہم اپنے خدا کو کس طرح راضی رکھ سکتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد مرحوم بہت مدبّر اور لائق آدمی تھے مگر دنیادارانہ رنگ رکھتے تھے جب آپ جوان تھے تو آپ کے والد صاحب مرحوم کو ہمیشہ آپ کے متعلق یہ فکر رہتی تھی کہ یہ لڑکا سارا دن مسجد میں بیٹھا رہتا ہے اور کتابیں پڑھتا رہتا ہے یہ بڑا ہو کر کیا کرے گا اور کس طرح اپنی روزی کما سکے گا؟ آپ کے والد صاحب مرحوم آپ کو کئی کاموں کی انجام دہی کے لئے بھیجتے مگر آپ چھوڑ کر چلے آتے یہاں تک کہ زمین کے مقدمات کے بارہ میں ان کو آپ کے خلاف شکایت رہتی تھی کہ وقت پر نہیں پہنچتے۔ ایک دفعہ آپ کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے گئے تو عین پیشی کے وقت آپ نے نماز شروع کر دی۔ جب آپ نماز ختم کر چکے تو کسی نے آ کر کہا آپ کا مقدمہ تو آپ کی غیر حاضری کی وجہ سے خارج ہو گیا ہے آپ نے فرمایا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اِس سے بھی جان چھوٹی۔ جب آپ گھر پہنچے تو والد صاحب مرحوم نے ڈانٹا اور کہا تم اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ مقدمہ کی پیشی کے وقت عدالت میں حاضر رہو۔ آپ نے فرمایا نماز مقدمہ سے زیادہ ضروری تھی (گو مقدمہ کے متعلق میں نے سنا ہے کہ بعد میں معلوم ہوا کہ مقدمہ آپ کے حق میں ہی ہو گیا تھا)

کاہنووان کے دو بھائی جو سکھ تھے ان کو آپ کے ساتھ عشق تھا وہ ہمیشہ آپ کے پاس آیا کرتے تھے اور باوجود سکھ ہونے کے وہ آپ کے بہت زیادہ معتقد تھے آپ کی وفات کے بعد ایک دفعہ مَیں نماز پڑھا کر اندر جانے لگا تو انہی دونوں بھائیوں میں سے ایک نے مجھے روک لیا اور کہا خدا کے لئے آپ اپنی جماعت کے لوگوں کو روکیں کہ وہ ہم پر ظلم نہ کریں۔ میں حیران ہوا کہ ہماری جماعت کے لوگوں نے آپ پر کیا ظلم کیا ہے؟ میں نے اُسے تسلی دی اور کہا کہ اگر کسی نے کوئی ایسی حرکت کی ہے تو میں اُسے سزا دوں گا تم بتاؤ کہ کس نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے؟ اُس نے بتایا کہ میں بہشتی مقبرہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر پر گیا تھا اور میں نے وہاں سجدہ کرنا چاہا لیکن آپ کے آدمیوں نے روک دیا۔ میں نے کہا یہ چیز تو ہمارے مذہب میں ناجائز ہے اسی لئے انہوں نے آپ کو روکا ہے۔ وہ کہنے لگا آپ کے مذہب میں بیشک ناجائز ہے مگر ہمارے مذہب میں تو ناجائز نہیں۔ اس سے ان کی محبت کا پتہ لگتا ہے ان بھائیوں نے خود مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک واقعہ سنایا اور کہا کہ

حضرت مرزا صاحب کے ساتھ ہماری دوستی تھی اور ہم اکثر ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے ایک دفعہ آپ کے دادا نے جب ہم اپنے باپ کے ساتھ آئے ہمیں کہا کہ میں نے تو غلام احمد (مسیح موعود) کو بہت سمجھایا ہے مگر اس کی اصلاح نہیں ہوتی یہ سارا سارا دن مسجد میں بیٹھا رہتا ہے بڑا ہو کر کیا کرے گا؟ کیا یہ اپنے بھائی کے ٹکڑوں پر جئے گا؟ میرا خیال ہے کہ تم اس کے ہمجولی ہو اور ہم عمر ہو تم جا کر اس کو سمجھاؤ شاید تمہارے کہنے سے سمجھ جائے۔ چنانچہ ہم آپ کے پاس گئے اور ان کو سمجھانا شروع کیا جب ہم بات ختم کر چکے تو آپ نے کہا والد صاحب تو یونہی گھبراتے ہیں میں نے جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے۔ وہ سکھ سنایا کرتے تھے کہ ہم نے جب آپ کا یہ جواب آپ کے والد صاحب کو جا کر سنایا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انہوں نے کہا غلام احمد کبھی جھوٹ نہیں بولتا اگر وہ کہتا ہے کہ میں نے جس کی نوکری کرنی تھی کر لی ہے تو وہ ضرور سچ کہتا ہوگا۔

پس مؤمن صرف اللہ کی نوکری کرتا ہے عام طور پر لوگ سَترہ اٹھارہ روپیہ پر فوجوں میں بھرتی ہوتے ہیں اور اِسی حقیر رقم کے لئے اپنی جانیں لڑا دیتے ہیں تو کیا ایک مؤمن اسلام کی خاطر اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنے کے لئے تیار نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا کیونکہ مؤمن جانتا ہے کہ وہ خدا کا مینار ہے جس کی روشنی میں دنیا کی تمام تاریکیاں اور ظلمتیں دُور ہو جاتی ہیں۔

(الفضل ۲۳؍مئی ۱۹۴۷ء)

۱،۲ المائدۃ: ۹

۳ سیرت ابن ھشام جلد ۳ صفحہ ۱۰۱، ۱۰۲۔ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۴

۵ تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۳۴ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۷ء

۶ السیرۃ الحلبیۃ جلد ۱ صفحہ ۳۶۱ مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

۷

۸؎

۹؎ بخاری کتاب المغازی باب فضل من شهد بدرا

۱۰؎ اسد الغابة جلد ۲ صفحہ ۲۸۴ مطبوعہ ریاض ۱۲۸۵ھ

۱۱؎ سیرت الحلبية جلد ۳ صفحہ ۸۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۵ء

۱۲؎

۱۳؎ تذکرہ صفحہ ۱۸، ۱۹۔ ایڈیشن چہارم